کلمہ حق

جبری شادیاں اور برطانیہ کی مسلم کمیونٹی

ان دنوں برطانیہ میں جبری شادیوں پر بحث کا بازار گرم ہے اور مختلف عدالتوں میں مقدمات کے ساتھ ساتھ اخبارات وجرائد ومحافل ومجالس میں بھی گفتگو کا سلسلہ جاری ہے۔ مغرب میں لڑکا اور لڑکی اپنا شریک حیات چننے میں آزاد ہیں اور اس میں ماں باپ کا کوئی اہم رول نہیں ہوتا۔ جبکہ ہمارے ہاں رشتے کا چناؤ اور شادی کا اہتمام عام طور پر ماں باپ کرتے ہیں اس لیے ان روایات کا ٹکراؤ مغرب میں رہنے والے مسلمان خاندانوں کے لیے لاینحل مسئلے کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔

یہاں پیدا ہونے اور پرورش پانے والے لڑکے اور لڑکیاں اپنا شریک حیات خود چننے کا اختیار حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس میں بسا اوقات مذہب کی قید بھی باقی نہیں رہتی اس لیے اسلامی اور مشرقی روایات کے حامل خاندانوں کے لیے اس صورت حال کو قبول کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور وہ اس کا حل زبردستی کی صورت میں کرنا چاہتے ہیں جس میں حکومتی ادارے مداخلت کرتے ہیں اور ماں باپ کا ساتھ دینے کے بجائے لڑکی اور لڑکے کو تحفظ فراہم کرتے ہیں جس سے ماں باپ اکثر وبیشتر بے بسی کی تصویر بن کر رہ جاتے ہیں۔

جہاں تک رشتے کے چناؤ اور شادی کے اہتمام کا تعلق ہے، اسلام اس میں بالغ لڑکے اور لڑکی کی رائے کا حق تسلیم کرتا ہے اور ماں باپ کو جبر کی اجازت نہیں دیتا لیکن اس سلسلہ میں چند اصولوں کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اسلام مرد اور عورت میں خفیہ تعلقات کی سرے سے نفی کرتا ہے اور قرآن کریم نے ولا متخذات اخدان کہہ کر لڑکے اور لڑکی کے درمیان خفیہ مراسم کو سرے سے حرام کاری قرار دیا ہے۔ ہاں اس سے ہٹ کر لڑکا یا لڑکی نکاح کے لیے کسی پسند کا اظہار کرتے ہیں تو دونوں کے مسلمان ہونے کی صورت میں اسلام نے اس کا بھی احترام کیا ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ میں صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ اس کی کفالت میں ایک یتیم لڑکی ہے جس کے لیے شادی کے دو پیغام آئے ہیں۔ ایک خواہش مند مالدار ہے اور دوسرا تنگ دست اور غریب ہے۔ اس نے کہا کہ ہم اس کا نکاح مالدار شخص سے کرنا چاہتے ہیں جبکہ وہ لڑکی غریب شخص کو پسند کرتی ہے۔ اس پر جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لم یر للمتحابین مثل النکاح محبت کرنے والوں کے لیے نکاح جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ گویا نبی اکرم ﷺ نے اس ارشاد گرامی کے ساتھ لڑکی کی پسند کے احترام کی ہدایت فرمائی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی نبی اکرم ﷺ نے "کفو" کے حوالہ سے لڑکی کے لیے ماں باپ اور خاندان کی عزت ووقار کا لحاظ رکھنے کو بھی ضروری قرار دیا ہے اور اس طرح ماں باپ کے وقار وعزت اور لڑکی اور لڑکے کی آزادی اور پسند کے درمیان ایک توازن قائم کر دیا۔ چنانچہ علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی صراحت کے مطابق اس سلسلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ بالغہ وعاقلہ لڑکی پر اس کے باپ کو کسی رشتہ اور نکاح کے لیے جبر کرنے کا حق حاصل نہیں ہے لیکن لڑکی کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی ایسی جگہ شادی کرے جو اس کے ماں باپ اور خاندان کے لیے معاشرتی طور پر باعث عار ہو اور وہ اس میں اس سوسائٹی کی معروف اقدار وروایات کے حوالے سے خفت محسوس کریں۔

یہ تو اس مسئلہ کی اصولی حیثیت ہے مگر یہاں صورت حال اس سے مختلف ہے اور ایسی شادیوں کو بھی جبری قرار دیا جانے لگا ہے جو ماں باپ نے لڑکیوں کو اعتماد میں لے کر کیں۔ ان لڑکیوں نے اس وقت اس کو قبول کر لیا لیکن بعد میں کسی وجہ سے اختلاف پیدا ہو گیا تو لڑکی نے یہ موقف اختیار کر لیا کہ اس کی شادی اس کی مرضی کے خلاف ہوئی تھی اس لیے اسے جبری شادی قرار دے کر منسوخ کیا جائے۔ حالانکہ اس سلسلہ میں اسلام کا واضح اصول ہے کہ اگر لڑکی کو ماں باپ کے طے کیے ہوئے رشتہ پر اعتراض ہے تو بالغ ہونے کی صورت میں اسے اس وقت اس رشتہ کو مسترد کرنے کا اختیار حاصل ہے لیکن اگر اس نے یہ حق استعمال نہیں کیا اور اس سے دستبردار ہو کر شادی کو عملاً قبول کر لیا تو اب وہ نکاح شرعاً منعقد ہو گیا ہے اور اس کے بعد اسے دوبارہ یہ اختیار واپس نہیں ملے گا۔

اس سلسلہ میں حال ہی میں لندن کے ایک اخبار نے گلاسگو کے ایک پرانے کیس کے بارے میں رپورٹ شائع کی ہے جس کے مطابق نسرین اکمل نامی لڑکی کا نکاح اس کے ماں باپ نے پاکستان جا کر کیا۔ اس کے بعد اس کا خاوند برطانیہ آیا اور وہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے رہے حتیٰ کہ ان کے تین بچے ہوئے اور تین بچوں کی ولادت کے بعد میاں بیوی میں اختلاف پیدا ہو گیا جس پر نسرین اکمل نے عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا کہ چونکہ اس کی شادی اس کی رائے کے خلاف ہوئی تھی اس لیے اسے "جبری شادی" قرار دے کر منسوخ کیا جائے چنانچہ برطانوی عدالت نے اس کے موقف کو تسلیم کرتے ہوئے شادی کو سرے سے منسوخ قرار دے دیا جس

سے اس کے تین بچوں کی ولدیت بھی قانونی طور پر ختم ہو گئی۔ رپورٹ میں اس خاتون کا بیان شامل ہے جس میں اس نے اس بات کا شکوہ کیا ہے کہ اس واقعہ کو سات سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود مسلم کیمونٹی میں اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔ اس کے بچوں کو "حرامی" کہا جاتا ہے اور وہ خوف وہراس کی فضا میں زندگی بسر کر رہی ہے اس لیے وہ کسی ایسے علاقہ میں منتقل ہونا چاہتی ہے جہاں مسلمانوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہو۔

یہ صرف ایک کیس کا مسئلہ نہیں۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات اس سوسائٹی میں بکھرے پڑے ہیں اور مسلمان خاندانوں کی مشکلات میں اضافہ کا سبب بن رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس مسئلہ کے حل کے لیے دو باتوں کا اہتمام ضروری ہے۔ ایک اس بات کا کہ مسلمان خاندان اپنے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت اور انہیں اسلامی معاشرت کے ساتھ ذہنی طور پر منسلک رکھنے کے لیے ابتدا سے توجہ دیں، ان کی ذہن سازی اور تربیت کا اہتمام کریں اور انہیں اسلامی کلچر اور روایات سے روشناس کرائیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں کی مسلم کیمونٹی اپنے کلچر کے تحفظ کے لیے اجتماعی جدوجہد کرے، خاندانی نظام اور پرسنل لاز میں جداگانہ قوانین اور سسٹم کے حصول کے لیے مسلمان منظم ہو کر آواز اٹھائیں۔ اپنے کلچر اور مخصوص قوانین کا تحفظ ہر مذہب کے پیروکاروں کا حق ہے۔ اگر اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مسیحی کیمونٹی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مخصوص قوانین اور خاندانی نظام کے تحفظ کے لیے آواز اٹھائے اور دستور پاکستان میں اس کا یہ حق باقاعدہ طور پر تسلیم کیا گیا ہے تو برطانیہ میں رہنے والے مسلمانوں کا بھی یہ حق ہے کہ انہیں خاندانی زندگی میں اپنے مذہب کے مخصوص قوانین پر عمل کرنے کے لیے عدالتی تحفظ فراہم کیا جائے اور اس کے لیے جداگانہ عدالتی سسٹم مہیا کیا جائے تا کہ وہ نکاح طلاق اور وراثت کے خاندانی معاملات میں اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل کر سکیں۔ اس کے لیے مسلم سربراہ کانفرنس کے جدہ سیکرٹریٹ اور دنیا بھر کی مسلم حکومتوں کی وزارت ہائے مذہبی امور کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ برطانوی حکومت کو اس کے لیے باضابطہ طور پر تجاویز بھجوائیں اور یہاں رہنے والے مسلمانوں کے کلچر اور خاندانی نظام کے تحفظ کے لیے اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں۔

مولانا زاہد الراشدی کی گوجرانوالہ واپسی

پاکستان شریعت کونسل کے سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الرشدی برطانیہ میں تین ماہ قیام کے بعد ستمبر کے پہلے ہفتہ کے دوران گوجرانوالہ واپس پہنچ رہے ہیں۔ وہ ۱۰ ستمبر کا جمعہ مرکزی جامع مسجد (شیرانوالہ باغ) گوجرانوالہ میں پڑھائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

بی بی سی کا اعتراف حقیقت

لندن (سٹاف رپورٹر) ہاؤس آف لارڈز کے لیبر رکن لارڈ نذیر احمد نے بی بی سی پر اسلام کے بارے میں زیادہ پروگرام نہ دکھانے اور ادارہ میں مسلمانوں کی کم نمائندگی کے بارے میں جنگ جیت لی ہے۔ بی بی سی کے ڈائریکٹر جنرل سر جان برٹ اور اعلیٰ انتظامیہ نے اعتراف کیا ہے کہ لارڈ احمد کا موقف صحیح ہے اور وہ اس بات کا بہت جلد ازالہ کریں گے۔ یہ وعدہ ہاؤس آف لارڈز میں منعقد ایک اجلاس میں سر جان برٹ نے کیا۔ اجلاس میں، جو نارتھ ٹمبلبی کی صدارت میں ہوا جس میں ایلن نیبثوب، سر کرسٹوفر، ٹونی ہال، وال وائٹ، بیرونس ینگ بھی شریک تھے، لارڈ احمد نے یہ سوال اٹھایا کہ بی بی سی میں مسلمانوں کی نمائندگی کم ہے اور ان کے بارے میں پروگرام نہیں بنائے جاتے۔ بی بی سی کا مذہبی محکمہ عیسائیوں کے بارے میں پروگرام بناتا ہے۔ برمنگھم میں ایشین پروگرام ڈیپارٹمنٹ خاص عمر کے ایشیائیوں کے ایک مخصوص سماجی گروپ کے لیے بولی وڈ اور بھنگڑا کا پروگرام بناتا ہے اور اس بات کے شواہد ہیں کہ پروگرام یونٹ پاکستانی، کشمیری اور بنگالی مسلمانوں سے امتیاز برت رہا ہے۔ انہوں نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ بی بی سی دو ملین مسلمانوں کی، جو ٹی وی کے لائسنس خریدتے ہیں، ضروریات کس طرح پورا کرے گی؟ ادارہ کے چیف ایگزیکٹو ایشین پروگرام ڈیپارٹمنٹ میں اقربا پروری کے بارے میں کیا کر رہے ہیں؟ لارڈ احمد نے بی بی سی کو یہ تفصیلات بھی دی تھیں کہ کس طرح بھارتی نژاد لوگوں نے ڈیپارٹمنٹ پر قبضہ کر رکھا ہے، کسی پاکستانی یا کشمیری کو اہم عہدہ پر نہیں جانے دیا جاتا اور اردو یا اسلام کے بارے میں پروگراموں کے کرتا دھرتا ایسے لوگ ہیں جو اردو لکھ اور بول نہیں سکتے اور یہ کہ کئی پاکستانی یا کشمیری ملازمین کو ان کے عہدوں سے ہٹا دیا گیا ہے۔ لارڈ احمد نے بعض بھارتی نژاد افراد کی نشاندہی بھی کی تھی جو مسلمانوں کو ادارہ سے باہر رکھنے یا ان کے غیر اہم عہدوں پر تعین کے پس منظر میں ہیں۔ بی بی سی نے ۲۱ جون کو لارڈ احمد کو ایک خط بھی لکھا ہے جس میں بی بی سی پر اسلام کے بارے میں کم کوریج اور مسلمانوں عملہ کی کمی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ادارہ اس کے ازالہ کی کوشش کر رہا ہے جبکہ مسلمان عملہ کی بھرتی کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔ بی بی سی کا کہنا ہے کہ وہ مذہبی بنیاد پر ملازموں کے اعداد وشمار نہیں رکھتے البتہ آئندہ مردم شماری کے بعد ایسا ممکن ہوگا۔

(روزنامہ جنگ لندن ۲۷ جون ۹۹ء)